ڈاکٹر سعید احمد

پردہ اور اس سے متعلقہ مباحث

ڈاکٹر سعید احمد کے اس مضمون سے اتفاق یا اختلاف کا ہر شخص کو حق ہے۔ توازن اور اعتدال کے ساتھ جو صاحب بھی اس مسئلہ پر اظہار خیال کریں گے ہم اسے خوشی سے شائع کریں گے۔

ہمیں شراب سے پرہیز کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کا سبب خدائے پاک نے یہ بتایا ہے کہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے نقصانات اس کے فائدوں سے زیادہ ہیں اور غالباً ایک صحیح العقل انسان کو کسی چیز یا کسی کام سے باز رکھنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی کہ اسے بتا دیا جائے کہ جس چیز سے تمھیں روکا جا رہا ہے، اس میں تمھارے لیے نفع کم ہے اور نقصان زیادہ۔ اللہ تعالیٰ کے اس طرز استدلال کو دیکھ کر ہم عام طور پر اپنے ہر کام کے متعلق یہ ایک اصول سا قائم کر سکتے ہیں کہ اپنے جن کاموں میں ہمیں نفع سے نقصان زیادہ نظر آئے ان سے کنارہ کش رہیں۔

مسلمانوں میں آج کل جس قسم کا پردہ رائج ہے اس کے متعلق یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مذہب نے اس قسم کے پردہ کا حکم ہرگز نہیں دیا ہے اور جس طرح محرم میں تعزیئے بنانا، شب برات اور عید کے موقعوں پر حلوا اور سویاں پکانا اور بعض اسی قسم کی اور رسمیں آہستہ آہستہ جزو مذہب بن کر رہ گئی ہیں۔ اسی طرح موجودہ پردہ بھی ہماری اپنی ایجاد کی ہوئی ایک رسم ہے جسے کثرت رواج نے اب اس حد تک جزو مذہب بنا دیا ہے کہ بہت سے اچھے خاصے تعلیم یافتہ لوگ بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ مدت العمر

چار دیواری کے اندر قید رہیں۔ کبھی ان کا قدم تو بڑی چیز ہے ان کی آواز بھی گھر کے دروازہ سے باہر نہ نکلے اور مرتے مر جائیں لیکن کبھی کسی غیر مرد کو اپنا آنچل تک نہ دکھائیں۔ اس غلط فہمی کے عالمگیر ہونے کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ خود علماء کے گروہ میں سے بعض لوگ ایک مدت دراز تک پردہ کی موافقت میں مضامین اور رسالے لکھتے اور بہت کافی زور کے ساتھ اس کے ضروری بلکہ فرض ہونے میں بحثیں کرتے رہے ہیں بلکہ یہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہوگا کہ اب تک وہ سلسلہ بند نہیں ہوا ہے اور اب بھی ان کے اس قسم کے خیالات ظاہر ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اس مضمون میں میں پردہ کے متعلق اسلامی احکام کا ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ میرے لیے اونچے درجے کے علماء و فضلاء سے یہ تحقیق کر لینا کافی ہے کہ خدا نے اسلام نے عورتوں کو صرف اپنی نظریں نیچی رکھنے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے اور نہایت صاف الفاظ میں یہ بھی حکم دیا ہے کہ عورتیں جب اپنے گھروں سے باہر نکلا کریں تو اپنے "جلباب" (سر پر باندھنے کے رومال) ذرا نیچے کر لیا کریں۔ یا پھر یہ فرمایا ہے کہ عورتیں زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح آوارہ نہ پھرا کریں، بلکہ اپنے گھروں میں بیٹھا کریں، اور کوئی حکم ایسا نہیں دیا ہے کہ جس سے ان غریبوں اور بد نصیبوں پر یہ موجودہ پابندیاں عائد ہوں۔ اس لیے مجھے مزید بحث کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اور میں اپنی جگہ پر پورے طور سے مطمئن ہو چکا ہوں کہ ہمارے مروجہ پردے کی مذہبی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ خدائے پاک نے مردوں اور عورتوں دونوں کو یکساں حکم اس بات کا دیا تھا کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ مردوں سے خود تو اس حکم کی پابندی ہو نہ سکی اور وہ اپنی شرم گاہوں کی یا اپنی عصمت کی تو حفاظت کر نہ سکے اس کی بجائے عورتوں کی عصمت اپنے ذمہ لے لی اور وہ چونکہ ہر طرح ان کے قابو میں تھیں اس لیے انھیں تالوں میں بند کر دیا گیا۔

بہر حال مذہبی احکام سے بالکل قطع کر کے کسی چیز کو قابل قبول یا لائق استرداد قرار دینے کا ہمارے پاس سب سے بہتر ذریعہ یہی ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اس چیز میں خوبیاں اور منافع زیادہ

ہیں یا برائیاں اور نقصانات اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم اپنے مروجہ پردے پر اسی اصول کو مدنظر رکھ کر ایک غائر نگاہ نہ ڈالیں۔

اس وقت تک پردہ کے حامیوں کی جس قدر تحریریں دیکھنے میں آئی ہیں اور جتنی تقریریں سنی گئی ہیں ان سب میں موجودہ پردہ کا صرف ایک فائدہ بیان کیا گیا ہے اور اسی ایک فائدہ کو اس قدر اہم خیال کر لیا گیا ہے کہ اس کے لیے وہ تمام نقصانات برداشت کیے جا سکتے ہیں جو اس مروجہ پردہ نے پہنچائے ہیں یا آئندہ پہنچائے گا۔ یہ ایک عظیم الشان فائدہ ہماری عورتوں کی عصمت کا تحفظ ہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر پردے کے ذریعے سے یہ حقیقتاً حاصل ہو سکتا تو وہ ضرور اس قدر گرانقدر اور اہم فائدہ تھا کہ اس کے لیے بڑے سے بڑے نقصانات خوشی سے برداشت کیے جا سکتے تھے لیکن بدقسمتی سے صورت حال یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ہمیں نقصانات تو سب کے سب پہنچ رہے ہیں اور یہ نفع اگر حاصل ہو بھی رہا ہے تو اس قدر کم ہے کہ اسے کوئی ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی جا سکتی عورتوں کو چار دیواری کے اندر قید خانوں میں بند کر کے ہم مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اب ان کی عصمت بالکل محفوظ ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ ہمارا یہ اطمینان صرف ایک فریب خیال ہے۔ اور بڑے سے بڑے محفوظ مکانوں میں بھی کبھی کبھی ایک آدھ واقعہ اس قسم کا ہوتا ہی رہتا ہے جو یہ ثابت کر دے کہ حفاظت کی ہماری تمام تدابیر تمام تر بے کار اور بے سود تھیں۔ ہم رات دن دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ امیروں اور ساہوکاروں کے خزانوں تک بھی چور بلا تکلف رسائی حاصل کر لیا کرتے ہیں حالانکہ وہ فی الحقیقت تالوں ہی کے اندر بند ہوتے ہیں اور ایسے تالوں کے اندر کہ جنہیں کھول لینا یا توڑ لینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ جب یہ حالت ہے تو ہم ایسے خزانوں کو کس طرح محفوظ اور چوروں کی دسترس سے باہر خیال کر لیں کہ جو تالوں میں بھی بند نہیں ہیں اور جو روپے پیسے کی طرح بے جان چیزیں بھی نہیں ہیں بلکہ ذی روح اور ذی شعور ہیں اور اگر چاہیں تو چور کو روکنے کی بجائے اسے چوری میں پوری پوری مدد پہنچا سکتے ہیں۔ تشبیہات اور استعارات میں گفتگو کرنے کی بجائے میں بالکل صاف اور واضح الفاظ میں ہی کیوں نہ کہہ دوں کہ ہماری عورتیں حقیقتاً

تالوں کے اندر بند نہیں ہوتیں اور اگر ان کی اپنی مرضی بھی برائی کی طرف مائل ہو تو چور کو ان تک یا انھیں چور تک پہنچ جانے میں ذرا سی دقت بھی پیش نہیں آسکتی۔ ہمارے کانوں تک اس قسم کے افسوس ناک واقعات چوری کی وارداتوں کی طرح بہ کثرت نہیں پہنچتے اور بہت کم کبھی کوئی ایسا سانحہ سننے میں آتا ہے۔ لیکن اس سے ہمیں یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیے کہ درحقیقت ایسے واقعات ظہور پذیر ہی کم ہوتے ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ روپیہ پیسہ ایک بے جان شے ہے اور وہ واقعہ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کرسکتا۔ نیز یہ کہ اس میں سے چور جتنا لے جاتا ہے اتنی کمی ہمیں بیّن طور پر نظر آجاتی ہے اسی لیے اس کی چوری کا کوئی واقعہ ہم سے پوشیدہ نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف عورتیں خود صاحبِ عقل و شعور ہوتی ہیں اور اپنی پوری کوشش اور قابلیت سے واقعات کو پوشیدہ رکھتی ہیں اور عصمت کا نقصان کوئی ایسا نقصان بھی نہیں ہے کہ جو ہمیں نظر آجائے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ صرف وہی چند واقعات ہمارے علم میں آتے ہیں کہ جن میں اتفاق سے چوروں کو اخفاء واردات میں کامیابی نہ ہو اور پھر یہ معدودے چند واقعات بھی منظر عام پر نہیں آنے پاتے کیونکہ اگر گھر والوں کو چوری کا علم ہو بھی جائے تو وہ اس کے اظہار کو اپنی بدنامی خیال کرکے خود بھی ایسے واقعات کی پردہ پوشی کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے پردوں اور "پردہ پوشیوں" کی بدولت جو صورت حالت پیدا ہوگئی ہے اس کا ذکر اور اس کا اعتراف کرتے گو ہمیں شرم آئے لیکن حقیقت سے ہمارا انکار یا اسے تسلیم کرنے میں ہمارا پس و پیش اصل حقیقت کو کسی طرح نہیں بدل سکتا۔ ہم مانیں یا نہ مانیں اور ہمیں اچھا معلوم ہو یا برا بہر حال واقعات تو واقعات ہی رہیں گے اور ہماری اونچی اونچی دیواروں اور مقفل دروازوں کے باوجود دنیائے حرم کے اندر وہ سب کچھ ہوتا رہے گا جو ہوتا رہتا ہے، اور ہوتا چلا آیا ہے۔ اور ہمارے بڑے بڑے سنگین حصار یہ تو ممکن ہے کہ ارتکاب گناہ کی خبروں کو چار دیواریوں سے باہر نہ نکلنے دیں، لیکن گناہ کے ارمانوں کے دل سے نکلنے میں کسی طرح مزاحم نہیں ہوسکتے۔ آہنی الماریوں اور بڑے بڑے تالوں کے ذریعہ سے ہم چوروں کے راستہ

میں تھوڑی سی رکاوٹ پیدا کرکے ان کی حرص گناہ کو اور تیز تو کر سکتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اس طرح بُری اور ناپاک طبیعتوں کی اصلاح ہو کر ان میں رغبت گناہ کم ہو جائے بالکل اسی طرح عورتوں کو مستور اور محبوس کرکے بھی ہم زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ آمادۂ گناہ طبیعتوں میں حرص اور شوق کو المضاعف کر دیں اور خواہشات و جذبات سے مغلوب انسانوں کے راستے میں دیواریں حائل کرکے انھیں دیواریں پھاندنے کی تدابیر سوچنے پر مجبور کر دیں۔ لیکن یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کے جبر اور قیود کے ذریعہ سے ہم اپنے مردوں یا عورتوں کے تزکیۂ نفس میں کامیاب ہو جائیں اور ان کے دلوں سے معصیت کاری کی ہوس دور کر سکیں۔

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر ہمارا مقصد تحفظ عصمت تھا تو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ہم نے جو تدبیریں اختیار کی ہیں وہ بدقسمتی سے ہمیں اپنے مقصد سے اور بھی زیادہ دور کیے دے رہی ہیں۔ اور پردہ اور زندان خانہ کی سختیوں کے ساتھ اسی نسبت سے ہمارے دلوں میں میلِ گناہ اور شوقِ معصیت بھی ترقی کرتا چلا جا رہا ہے اور جس عصمت کی حفاظت مقصود تھی خود اس کے محافظ ہی اس کے چور بنتے چلے جا رہے ہیں۔ گویا پردہ کا جو سب سے بڑا فائدہ بیان کیا جاتا ہے وہ کسی طرح بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اور برقعے اور اونچی اونچی دیواریں اور اسی نوعیت کی اور تمام قید و بند تحفظ عصمت کے متعلق ہمیں ذرا سا فائدہ بھی نہیں پہنچاتیں۔

پردہ کے متعلق جب یہ یقین ہو چکا کہ اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو اگر کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں ہے، تب بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکے گا کہ وہ ایک فعل عبث ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ پردہ ہماری زندگی اور ہمارے اخلاق پر ایک عبث اور لاحاصل چیز سے بہت زیادہ اثر انداز ہے اور بہت سے اہل الرائے کا تو یہ خیال ہے کہ ہماری موجودہ قومی تباہی اور بربادی میں بہت کچھ اسی پردے کا ہاتھ ہے۔

پردہ کے نقصانات کی فہرست اگر ہم تیار کرنے بیٹھیں تو وہ اس کے فائدوں کی طرح صرف ایک اور وہ بھی ایک موہوم چیز کے ذکر تک محدود نہ رہ سکے گی۔ اپنے رسم و رواج کی محبت کے

جوش میں ممکن ہے کہ ہمیں اس کی بہت سی خرابیاں نظر نہ آتی ہوں اور جس طرح کہ بدصورت یا بدعادت لڑکا بھی ماں باپ کو عزیز ہوا کرتا ہے اسی طرح یہ زنانہ اور بسا اوقات کا ناپردہ بھی ہمیں پیارا ہو۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ صرف اسی ایک رسم کی وجہ سے ہم میں صدہا بُری عادتیں اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

پردہ کا سب سے پہلا عیب تو یہ ہے کہ یہ ایک بالکل غیر طبعی اور غیر فطری چیز ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ذی حیات مخلوق کی دنیا میں کوئی ایک جانور بھی ایسا نہیں ہے جس کی مادہ کو تحفظ عصمت کی خاطر قدرت نے ایسی سخت تکلیف دی ہو کہ وہ اپنے گھر، اپنے غار یا اپنے آشیانے کے سوا باقی تمام دنیا سے ترکِ تعلق کرے اور اپنے خاوند اور اپنے باپ اور بھائی وغیرہم کے سوا اپنی جنس کے کسی نر کو اپنی صورت نہ دکھائے۔ یہ خیال کہ قدرت انسان کے علاوہ اور جانوروں کے لیے عصمت کے تحفظ کو ضروری نہیں خیال کرتی تھی بالکل غلط ہے، کیونکہ تجربہ اور مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے کہ قدرت نے ہر جانور کو نکاح کرنے یا بالفاظ دیگر جوڑا لگا کر رہنا سکھایا ہے اور قدرت کا سکھایا ہوا یہ سبق کتے۔ بلیوں۔ مرغیوں اور بکریوں وغیرہ کے سوا تمام جانوروں کو اچھی طرح یاد بھی ہے۔ کتے۔ بلی کی قسم کے (انسان کی صحبت میں رہنے والے) جانور اگر اپنی فطرت کو بھول گئے ہیں اور حرام و حلال کی تمیز انھوں نے اٹھا دی ہے تو اس کا باعث ہمارا فیضانِ صحبت ہے ورنہ جنگلوں میں مرغ جیسے بندۂ ہوس پرند کو بھی اپنی اکیلی ایک اور بیاہتا بیوی پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ اگر قدرت کے خیال میں پردہ کوئی اچھی چیز ہوتا اور حفظ عصمت کا کام دے سکتا تو جانداروں کی دنیا اس سے اس قدر ناآشنا ہرگز نہ ہوتی اور انسانوں میں بھی اسے صرف ہندوستان تک بلکہ اب تو یہ کہنا چاہیے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے گھروں تک محدود رہنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مہذب اور ترقی یافتہ قومیں جو فطرت کے سکھائے ہوئے بہت سے سبقوں کو بھول چکی ہیں اسے چھوڑ دیتیں۔ لیکن امریکہ یا افریقہ کا حبشی اسے کیسے بھول سکتا تھا کہ جو آج بھی اپنی زندگی کے متعلق بیشتر باتوں میں اپنی فطرت

ہی کی پیروی کیا کرتا ہے۔ فطرت نے ہر مادہ کو اتنی قوت اور طاقت دی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی عصمت کو حملہ آور نر سے محفوظ رکھ سکے اور اگر انسانی مادہ یعنی عورت میں بھی اتنی قوت و طاقت ہے تو اسے کسی مزید تحفظ کی ضرورت نہیں ہے۔

چاردیواری کے اندر رات دن بند اور ورزش اور تازہ ہوا سے مدت العمر کے لیے محروم ہو کر عورت اب فطرت کی گود کی کھیلی نہیں رہی ہے۔ اس کی صحت برباد اور اس کے قویٰ بے حد ضعیف ہو چکے ہیں اور اب ایسی خوش نصیب عورتیں کہ جو مرد کے حملہ کی مدافعت کر سکیں اور اس کی ہوسناکیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں بہت کم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرد اب دنیائے حرم میں کوس لمن الملک الیوم بجایا کرتا ہے اور جب کبھی تنہائی میں کسی عورت کا اس سے سامنا ہو جاتا ہے تو کمزور اور بزدل عورت اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے بالکل اس طرح خاموش کھڑی رہ جاتی ہے کہ جیسے بھیڑیے کے سامنے بکری اور خواہ عورت کی بالکل بھی مرضی نہ ہو لیکن مرد جو کچھ چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اس وقت اونچی دیواریں کام دیتی ہیں نہ بیچے برقعے۔ آج اگر ہم عورت کو اس ذلیل حالت سے نکلنے دینا نہیں چاہتے تو اس کے بہت سے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ پردہ سے باہر نکل کر عورت بکری نہ رہے گی اور قیصر و زار کی طرح ہماری گرگ خصالی کا بھی اقتدار قائم نہ رہ سکے گا۔ ایک مرد ایک عورت پر اس کی مرضی کے خلاف کبھی فتح نہیں پا سکتا اور اگر ہمارے حرموں کی دنیا میں اس مسئلہ کے خلاف واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں تو اس کا باعث اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ گھروں کے اندر کی گھٹی ہوئی اور گندی ہوا نے عورتوں کے دل و دماغ اور اعصاب سب کچھ کمزور کر دیے ہیں اور ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں گزر سکتی کہ کوئی عورت بھی مرد سے اپنی حفاظت کر سکتی ہے۔ کیا اس نقصان عظیم کی کسی طرح تلافی ہو سکتی ہے اور کیا ایسے برقعے اور نقابیں ہمارے دلوں کے لیے باعث مسرت اور اطمینان ہو سکتی ہیں جن کے پیچھے ہمیں معلوم ہے کہ ایسے کمزور دل اور ایسے ناطاقت جسم پوشیدہ ہیں کہ جنھیں اپنے اوپر ذرا سا بھی بھروسہ نہیں ہے اور جنھیں اپنی عصمت کی حفاظت کا خیال تک نہیں آ سکتا۔ یہ خیال کہ

مرد عورتوں کی عصمت کی حفاظت کیا کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں حد سے زیادہ مضحکہ انگیز ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہی مرد جو اپنی بیوی، اپنی بیٹی یا اپنی بہن کی عصمت کے محافظ بنتے ہیں، دوسروں کی بیویوں اور بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت پر حملہ بھی کرتے پھرتے ہیں تو کیا عورتوں کی عصمت کی حفاظت کے یہ معنی سمجھے جائیں کہ اپنے گھر کی عورتوں کو تو کسی نہ کسی طرح قید کر کے دوسروں کی دستبرد سے بزعم خود محفوظ کر دیا اور دوسروں کی عورتوں کی عصمت لوٹنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ کیا عورتوں سے مراد صرف ہماری اپنی بیوی، ہماری اپنی بیٹیاں اور ہماری اپنی بہنیں ہیں؟ اور اس پر بھی صبر کیا جا سکتا تھا اگر ایسا ہو سکتا لیکن ظاہر ہے کہ جب ہم کسی دوسرے کی عورتوں کو بہکانے میں کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح یقینی طور پر دوسرے بھی ہمارے قلعہ کے اندر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور جب ہر شخص ہر دوسرے شخص کے گھر میں کامیاب ہو سکتا ہے تو اس کے معنی تو صرف یہی ہوئے کہ پردہ نے کچھ ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت اور دوسرے کے گھروں کی تخریب میں مصروف و منہمک ہے اور ان کوشش کرنے والوں میں سے جتنے لوگ بھی کامیاب ہو جاتے ہیں انھیں پورا پورا حق حاصل ہے کہ ہمارے سنگین حصاروں اور فلک بوس دیواروں پر جتنا چاہیں ہنسیں۔

عورتوں کے اس طرح مقید ہو جانے کی وجہ سے ہمارے بچے بھی تازہ ہوا اور کھلے میدانوں کی ورزش سے محروم رہتے ہیں، اور اس کا حد سے زیادہ افسوسناک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہماری قوم روز بروز تندرستی اور جسمانی نشو و نما کے لحاظ سے بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے اور آج تقریباً ہر شخص کی زبان سے یہ الفاظ سننے میں آتے رہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا ہم سے بہت زیادہ تنومند اور طاقتور ہوتے تھے میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ ہماری کمزوری اور ہماری خرابی صحت کا صرف یہی ایک سبب نہیں ہے لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہماری خرابی و بربادی کے چند اسباب میں سے یہ بھی ایک ضرور ہے۔

جہاں تک ہمارے بچوں کا تعلق ہے انھیں اس سے بھی بڑا ایک نقصان صرف اسی پردہ

کی وجہ سے یہ پہنچتا ہے کہ ان کی مائیں چونکہ خود دنیاومافیہا سے بالکل بے خبر ہوتی ہیں اس لیے ان کی گود میں پلے ہوئے بچے بھی جاہل مطلق رہتے ہیں اور انھیں اچھی خاصی عمر کو پہنچ جانے پر بھی دنیا کی چیزوں کا کوئی علم نہیں ہوتا یا اگر ہوتا ہے تو بالکل غلط اور گمراہ کن۔ یہ صحیح ہے کہ بڑے ہو کر یہ بچے بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں لیکن کون نہیں جانتا کہ بچہ کا بہترین مدرسہ اس کی ماں کی گود ہے اور اس مدرسہ میں جو بچے لاعلم اور جاہل رہے ان کے نقصان کی تلافی دوسرے مدرسے نہیں کر سکتے۔ ایک ایسی قوم کہ جس کی نسل جسمانی قویٰ، صحت اور علم میں اپنے اسلاف سے برابر زوال پذیر ہوتی چلی جائے اسے دنیا میں پنپنے اور ترقی کرنے کی کیا امید ہو سکتی ہے؟

پردہ کا اثر ہماری قوم کے اخلاق پر بھی بہت ہی بڑا پڑا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ جس چیز سے انسان کو روکا جائے اس کی حرص اس کے دل میں زیادہ ہو جاتی ہے (الانسان حریص علیٰ ما منع) تو مسلمانوں کے اپنی عاشق مزاجی بلکہ عیاشی کے لیے بدنام ہونے کی وجہ صاف ظاہر ہے اور ہزارہا نوابوں اور رئیسوں کی بڑی بڑی جائدادوں کی تباہی کا علم ہوتے ہوئے ہم یہ کہنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے کہ ہمیں خواہ مخواہ بدنام کر دیا گیا ہے نقصان اگر یہیں تک محدود رہتا تب بھی شاید صبر آجاتا لیکن اس پردے اور اس زیادتی ہوس کا ایک اندوہناک نتیجہ یہ بھی نکلا ہے کہ ہمارے نوجوان اپنی ہوس کو بالکل غیر فطری طریقوں پر بھی پورا کرنے لگے ہیں جس سے زیادہ مضرت رساں کوئی اور چیز ان کی صحت کے لیے نہیں ہو سکتی اور اسی خرابی نے یہ حالت پیدا کر دی ہے کہ آج مشکل ہی سے کوئی اخبار یا رسالہ ایسا مل سکتا ہے جس کے صفحات نہایت ہی گندے اور شرمناک اشتہارات سے بھرے نہ پڑے ہوں اور شاید ہی کوئی ڈاکیہ ایسا ہو جسے روزانہ ان اشتہاری دواؤں کے دو چار پارسل بدبخت نوجوانوں کے ہاتھوں تک نہ پہنچانے پڑتے ہوں۔ ان غلط کاریوں نے ہمارے نوجوان طبقہ کو دماغی اور جسمانی لحاظ سے بالکل بے کار کر دیا ہے اور یہ دیکھ کر شرم آتی ہے کہ نونہال جن پر قوم کی ترقی اور آئندہ خوشحالی منحصر ہوتی ہے اس درجہ بے حوصلہ اور پست خیال ہو گئے ہیں کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنے کارناموں پر فخر کریں اور یہ دکھائیں کہ ہمارے باپ داوا نے قوم

کو ترقی کی جس منزل پر چھوڑا تھا ہم نے اسے اس سے کئی منزل آگے پہنچا دیا۔ وہ اس بات پر فخر کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا ایسے تھے اور ایسے تھے اور ہم ایسے ننگ اسلاف نکلے کہ ان سے بہتر تو کیا معنی ان جیسے بھی نہ ہو سکے۔ ہمت، حوصلہ، جرأت اور اولوالعزمی سب مضبوط اور تندرست اعصاب کی خصوصیات ہیں اور ہمارے فرسودہ اور برباد رفتہ اعصاب کے نوجوان اسی لیے ان صفات عالیہ سے محروم ہیں۔

پردہ کے اندر پوشیدہ اور دنیا کے حالات اور دنیا کی چیزوں سے ناواقف رہتے رہتے ہماری پردہ نشین خواتین بزدل ہو گئی ہیں اور جس طرح گاؤں والے شہر میں آکر ہر چیز سے ڈرتے اور گھبراتے ہیں بالکل اسی طرح ہماری عورتیں بھی ہر نئی چیز سے خوف زدہ اور مرعوب ہو جاتی ہیں اور یہی کیفیت جب ذرا اور ترقی کرتی ہے تو وہ بالکل فرضی اور خیالی چیزوں سے بھی ڈرنے لگتی ہیں اور کون کہہ سکتا ہے کہ ایسی بزدل ماؤں کی گود میں پلے ہوئے بچوں میں حقیقی اور سچی بہادری کا جذبہ کبھی پیدا ہو سکتا ہے۔

اسی پردہ نشینی اور ہر وقت دوسروں کی نظروں سے چھپے رہنے کا یہ بھی نتیجہ نکلا ہے کہ ہماری خواتین کی ذہنیت چوروں کی سی ہو گئی ہے اور وہ اپنا ہر ایک کام کوٹھریوں اور کمروں کے اندر چھپ کر کرنا پسند کرتی ہیں۔ ان میں یہ ہمت باقی نہیں رہی ہے کہ ایک سچے انسان کی طرح کہ جس کا ضمیر مجرم نہیں ہے اپنے سب کام روشنی میں اور کھلے دھڑلے سب کے سامنے کیا کریں اور اپنی اس کمزوری کا نام انھوں نے شرم رکھ چھوڑا ہے لیکن چونکہ برے خیالات ہمیشہ اسی وقت آیا کرتے ہیں کہ جب انسان تنہا ہو اور ناکردنی کاموں کی جرأت صرف اسی حالت میں ہوا کرتی ہے جب اسے یہ یقین ہو کہ اسے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے۔ اس لیے بسا اوقات ان کی یہ خلوت پسندی اور اپنے سب کام چھپا کر کرنے کی عادت انھیں غلط راستوں پر ڈال دیتی ہے اور وہ ایسی حرکتیں بھی کر گزرتی ہیں کہ جن کا انھیں کبھی خیال تک نہ آتا، اگر ان کی ذہنیت چوروں کی سی نہ ہو گئی ہوتی۔ اپنے اپنے گھروں میں ہر شخص کو تجربہ ہوا ہو گا کہ اگر عورتوں

عورتوں سے کوئی کام بگڑ جائے یا کوئی چیز خراب ہو جائے یا کسی قسم کا نقصان ہو جائے تو وہ سچائی اور صفائی کے ساتھ اپنے خاوند پر ظاہر کر دینے کے بجائے ہمیشہ یہی کوشش کرتی ہیں کہ اسے پوشیدہ رکھیں اور اس قسم کی کوشش میں اکثر انھیں جھوٹ بولنے میں بھی تامل نہیں ہوتا ان کی پردہ پوشی ان کی زندگی سے سچائی اور بے خوفی کو ایک بڑی حد تک خارج کر دیتی ہے اپنی ماؤں سے بچے بھی جو سبق حاصل کرتے ہیں وہ یہی ہوتا ہے کہ قصور اور گناہ اگر چھپا رہے تو گناہ نہیں ہے۔ مجھے اس کے ماننے میں تامل نہیں ہے کہ یہ خرابی بہت سی ان عورتوں میں بھی دیکھنے کو مل سکتی ہے کہ جو بے پردہ رہتی ہیں لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ پردہ کی بدولت ہماری خواتین میں یہ ذہنیت عام ہو گئی ہے۔

پردہ کی وجہ سے عورتیں تقریباً اسی حیثیت پر آ گئی ہیں کہ جس حیثیت سے اسلام نے انھیں نکالا تھا۔ اور آج وہ پھر مردوں کی اسی طرح غلام ہیں جس طرح اسلام سے پہلے تھیں۔ بلکہ شاید یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اب ان کی حیثیت پہلے سے بھی بدتر ہے۔ اسلام سے پہلے عورتیں صرف اقتصادی لحاظ سے مردوں کی غلام تھیں۔ لیکن آج ہم نے ان کی یہ حالت کر دی ہے کہ وہ اپنا کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی نہیں کر سکتیں اور اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ ضرورت کے پورا کرنے کے لیے بھی ہماری دست نگر اور محتاج ہیں اور زبان سے ھن لباس لکم کا اقرار کرنے والوں نے عملاً جو حیثیت عورتوں کی کر دی ہے وہ لباس اور زینت کی نہیں بلکہ لونڈی اور کنیز کی ہے جس کے ساتھ ہر ذلیل ترین سلوک بھی اس لیے روا اور جائز ہو جاتا ہے کہ وہ غریب گھر سے باہر قدم نہیں نکال سکتی اور کوئی باہر والا حدود حرم کے اندر اس کی مدد کے لیے داخل نہیں ہو سکتا۔

عورتوں کے اس مروجہ پردہ کے نقصانات صرف عورتوں یا ان کے بچوں ہی تک محدود نہیں رہتے بلکہ خود مردوں کی زندگی پر بھی ایک بہت بڑی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔ گھر میں اگر میاں بیوی صرف دو ہی آدمی ہیں تو کون نہیں جانتا کہ عورت کی حفاظت کے خیال سے مرد بھی مقید ہو کر رہ جاتا ہے اور کوئی ایسا کام خوشی سے نہیں کر سکتا کہ جس میں اسے اپنے گھر سے

دور رہنا پڑے۔ دکان پر گاہکوں سے گفتگو کرتے وقت اسے برابر یہی خیال لگا رہتا ہے کہ کوئی اس کے گھر میں نہ گھس گیا ہو اور دفتر میں ٹائپ رائٹر پر انگلیاں چلاتے یا عدالت میں مقدمات کی پیروی کرتے وقت اس ادھیڑ بن میں مبتلا رہتا ہے کہ خدا جانے اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر بیوی نے کیا کچھ کیا ہو۔ اور اس وقت کے خلجان کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کوئی کام بھی انہماک کے ساتھ اور پوری توجہ سے نہیں کر سکتا۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے بعض رشتہ دار ایسے ہیں کہ جن سے ان کی بیوی پردہ نہیں کرتی اور اسے ہر وقت یہی اندیشہ لگا رہتا ہے کہ اس کی غیر حاضری میں ان میں سے کوئی نہ آ گیا ہو۔ یہ اندیشہ ایک حد تک بجا بھی ہوتا ہے کیونکہ "مامنع" کی حرص اس کے رشتہ داروں کو اندھا کر دیتی ہے اور اس کی بیوی کی ہمتیں بھی اس خیال سے کہ وہ خود اپنی عصمت کی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اس کی حفاظت اس کے مرد نے اپنے ذمہ لے لی ہے، بہت کچھ بڑھ جاتی ہیں، اور اگر اس میں ہمت گناہ نہ بھی ہو تب بھی ان حریص رشتہ داروں کو بہت کچھ موقع مل جاتا ہے اور عورتوں کی وہ بزدلی جو پردہ نے انھیں ودیعت کی ہے اور رسوائی کے خیال سے چیخنے چلانے سے پرہیز ان مردوں کو ان کے ناپاک اور ذلیل مقاصد میں بہت کچھ مدد دیتا ہے۔

اپنے شہر سے باہر دوسرے شہروں میں جا کر نوکری یا تجارت وغیرہ کچھ کرنے کی ہمت ہمارے نوجوانوں کو نہیں ہوتی اور دیس کی آدھی کو پردیس کی ساری پر بخوشی ترجیح دی جاتی ہے۔ ملک سے باہر غیر ملکوں میں جانے کی ہمت صرف وہی معدودے چند مرد کیا کرتے ہیں کہ جن کے والدین زندہ ہوں اور جنھیں بیوی کے متعلق یہ کامل اطمینان ہو کہ ان کی غیر موجودگی میں اس کی عصمت کے بعض اور محافظ بھی موجود ہیں ورنہ بالعموم یہ دیکھا جاتا ہے کہ ادھر ملازمت کے سلسلہ میں کسی کو ہندوستان سے باہر جانے کا حکم ملا اور ادھر اس نے پہلے تو افسران بالا دست کی خوشامد درآمد کر کے یا رشوتیں دے کر حکم منسوخ کرایا اور اگر یہ خوشامد اور رشوت اور مولوی صاحب کا گنڈا تعویذ اور پیر جی کا چلّہ اور ختم سب بے کار ثابت ہوئے تو وہ "بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان" کہہ کر نوکری ہی کو خیر باد کہہ دیتا اور استعفٰی داخل کر دیتا ہے۔

ایسی مثالوں کی بھی کمی نہیں ہے کہ گھر میں خاوند یا بچّہ کسی خطرناک اور مہلک مرض میں مبتلاً پڑا ہے اور بیوی یا ماں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتی کہ اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی زار و قطار رویا کرے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ پڑوس کی دو چار عورتوں کو گھر میں جمع کرلے جو اپنے لایعنی شور و غل سے بیمار کا سر کھا جائیں اور پوری نصف ڈھول بانوں کی ختم کر کے فرش پر پیکوں سے گلکاری کر جائیں۔ حکیم یا ڈاکٹر تک جائے کون اور بیمار کے لیے دوا لائے کون، مرد تو کوئی گھر میں ہے ہی نہیں۔

صرف اس پردہ کی بدولت ہمارے مرد کارزارِ حیات میں اپنی اس تحریک حیات کی رفاقت سے محروم ہو گئے ہیں جس کی موجودگی ان کی ہمت، جرأت اور قوت عمل کے لیے بہترین محرک ہو سکتی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اب ...... مسلمان محنت کرنے سے گھبراتا اور کام کرنے سے جی چراتا ہے اور خطرات میں پڑنے کا شوق تو اس سے اب اس طرح دور ہو گیا ہے کہ گویا اس کے دل میں کبھی یہ چیز تھی ہی نہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ عورت کی موجودگی میں مرد کبھی اس ذلت کو گوارا نہیں کیا کرتا کہ وہ جان دینے سے ڈر گیا یا کام کی دشواریوں نے اس کی ہمتیں توڑ دیں یہی وجہ ہے کہ عورتیں قریب موجود اور کام میں ہماری ترقی کی رفتار کی نگراں ہوں تو ہم اپنے حوصلہ سے بڑھ کر بہت سے کام انجام دے لیا کرتے ہیں اور پست ہمتی یا بزدلی ہمارے قریب بھی نہیں آنے پاتی۔ ہمارے اسلاف نے اکثر اپنی مٹھی بھر تعداد سے دشمنوں کی بڑی بڑی جماعتوں کو شکستیں دی ہیں اور بالکل ممکن ہے، بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ حقیقت یہی ہے کہ میدان جنگ میں عورتوں کی معیت جوان کی ہمتوں کو دوبالا اور ان کی آتش غیرت کو مشتعل رکھا کرتی تھی ان کی فتوحات کا باعث تھی۔ عورتوں کی نگاہوں میں حقیر اور ذلیل ہو جانے کا خوف ان سے بسا اوقات مافوق العادۃ کام کرا دیا کرتا تھا۔ ہم چونکہ مطمئن ہیں اور گھر سے باہر خواہ ہم اپنے بزدلی، نامرد اور کام چور ہونے کا کتنا ہی بڑا ثبوت دے چکے ہوں اپنی دنیائے حرم کے اندر پہنچتے ہی ہم بدستور بادشاہ اور غالب کل بنے رہیں گے اس لیے معمولی سی دقتیں اور دشواریاں

ہماری ہمت توڑ دیتی ہیں۔ اور ادنیٰ ادنیٰ خطرات سے بھی ہم ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ لیکن اس دنیا میں کہ جہاں ہر وقت حیات اور بقا کے لیے ایک لامتناہی تنازع برپا ہے وہی قومیں زندہ رہ سکتی ہیں کہ جن میں زیادہ سے زیادہ قوت عمل اور بلند سے بلند ہمتیں موجود ہوں۔ جامد اور بزدل قوموں کو قدرت زندہ نہیں رکھا کرتی اور قدرت کے قوانین ہمارے لیے بدل نہیں سکتے۔

قدرت سے عورت ہمیں تسکین قلب کی خاطر عطا ہوئی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت بھی ہمارے دلوں کو ایسی سچی تسکین اور اتنا پورا اطمینان نہیں پہنچا سکتی جو عورت کے ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے لیکن ہم نے محض اپنی غلطی اور کوتاہ بینی کی بدولت اسی تسکینِ قلب کو وبالِ جان بنا لیا۔ خود ہماری اپنی حرکتوں کی بدولت اب ہماری شادیوں پر یہ شعر صادق آنے لگا ہے:

گفتمش چیست کتخدائی ، گفت
ساعتے عیش و غصہ سالے چند

پردہ کے نقصانات کی یہ مکمل فہرست نہیں ہے۔ گذشتہ تیس سال کے غور و خوض نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ ہماری قوم کی تباہی و بربادی کا گو یہی ایک سبب نہ ہو لیکن بہت سے مختلف اسباب میں سب سے بڑا سبب ضرور یہی ہے۔ ہم نے اپنی آدھی آبادی کو بیکار محض کر کے ڈال دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی مفروضہ حفاظت اور خدمت کے سلسلے میں ہمارا اپنا کام بہت کچھ بڑھ گیا ہے اس قسم کے دعوے میرے کانوں تک پہنچ چکے ہیں کہ ہماری عصمت مآب خواتین خود ہی پردہ کی دلدادہ ہیں اور اگر ہم ان سے کہیں بھی تو وہ اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں جہاں تک خواتین کی عصمت پرستی کا تعلق ہے مجھے ان کے عصمت پرست ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی عصمت پرستی پر فخر و ناز ہے لیکن اسے میں کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ اس قید سے نجات پانے کے لیے بیتاب نہیں ہیں۔ مذہب کے نام سے ان غریبوں پر یہ قیود عائد کی گئی ہیں اور اپنے خدا کا حکم سمجھ کر وہ اس مصیبت کو خوشی سے برداشت

کر لیتی ہیں۔ لیکن برقعوں اور گاڑیوں کے پردوں سے جو للچائی ہوئی نگاہیں نکل نکل کر دنیا کی ہر چیز پر پڑتی ہیں وہ اس امر پر شاہد ہیں کہ ان نظروں کو دنیا دیکھنے کی کس قدر حسرت اور سچی فطری زندگی کی کس درجہ تلاش ہے اس سے بھی انکار کرنے کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ بعض بدکار ہستیوں کے لیے موجودہ پردہ فی الحقیقت عیبوں اور گناہوں کی پردہ پوشی کا کام دے رہا ہے اور اگر انھیں شکار کی یہ ٹٹی عزیز ہے تو عصمت پرستی کی بنا پر نہیں بلکہ عصمت فروشی اور معصیت کوشی کی بنا پر عزیز ہے۔

پردہ اگر مذہب اسلام کا کوئی حکم ہوتا تو یقیناً ہم اپنے پروردگار کا فرمان سمجھ کر نہایت خوشی سے اختیار کرتے اور اس کی خاطر ہمیں پھر جتنے بھی نقصان اٹھانے پڑتے انھیں بطیب خاطر برداشت کرتے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ ہمارا مہربان خدا ہمارے لیے یسر اور آسانی چاہتا ہے عسر اور تکلیف نہیں چاہتا اس لیے نہ وہ ہمیں ایسا حکم دے سکتا تھا اور نہ اس نے دیا ہے اور جب کہ یہ خدا کا حکم نہیں ہے تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ایک ایسی تباہ کن رسم کو کہ جس کی بدولت قوم کی مالی، اخلاقی اور جسمانی اور دماغی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے کیوں جاری رکھیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد بہت سے بزرگ مجھے گالیاں دینے پر آمادہ ہو جائیں گے اور اکثر کا یہ خیال ہو گا کہ میں بھی انھی نوجوانوں میں سے ہوں جن کی بڑھی ہوئی حرص ان کے دلوں میں حسن عریاں کے نظارہ کا شوق پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن میں انھیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اپنی عمر کی اس منزل سے گذرے عرصہ ہو چکا اور یہ جو کچھ بھی میں نے لکھا ہے اپنے مسلسل سی سالہ تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر لکھا ہے اسے پڑھ کر نفرت اور حقارت سے پھینک دینے کے بجائے اس بات کی ضرورت ہے کہ ذرا ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کیا جائے کہ ہم اپنے ایک ایسے دستور کو کہ جو کسی درجہ میں بھی مذہبی حکم نہیں ہے اور جس کی مذہبی حیثیت بالکل محرم کے تعزیوں اور شب برات کی آتشبازی کے برابر ہے اور اس قدر شد و مد کے ساتھ جاری رکھنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں جب کہ ہم اپنی

آنکھوں سے یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ وہ دستور ہماری قوم کی تباہی اور بربادی میں ایک نمایاں حصہ لے رہا ہے۔ پردہ کا جو مقصد بیان کیا جاتا ہے وہی اگر حاصل ہو جاتا "خیر کچھ تو ہمارے آنسو پچھ جاتے کہ چلو جلا سے" بہت کچھ کھو کے "کچھ تھوڑا" تو پالیا۔ لیکن یہاں تو یہ صورت بھی نہیں ہے اور پردہ ہمیں اور سو طرح کے نقصان پہنچانے کے علاوہ خود عصمت کے لیے بھی بسا اوقات محافظ کی بجائے مخرب ثابت ہوتا ہے اور اب سمجھ میں نہیں آتا کہ رسم و رواج کی محبت کے علاوہ اور وہ کون سی چیز ہے جو ہمیں اسے ترک کر دینے سے روک رہی ہے جبر اور زور کے ذریعہ سے ہم کسی کے دل اور دماغ میں نیکیاں اور پرہیزگاری ٹھونسنے میں ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جو عصمت کہ موٹے موٹے تالوں اور اونچی اونچی دیواروں کی ممنون منت ہو گیا اسے بھی کسی طرح عصمت کہا جا سکتا ہے۔ مٹھائیاں اور پھل شیشے کی الماریوں میں بند کر کے گھر کے بچوں کے دلوں سے ہم ان کے کھانے کا شوق دور نہیں کر سکتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ شوق دور کر دینے کی بجائے ان کی شوق کی آگ کو اور بھڑکا دیتے ہیں۔ لیکن یہی پھل اور یہی مٹھائیاں اول دن سے ان کے سامنے کھلی پڑی رہیں اور دنیا میں آنکھیں کھول کر وہ دیکھیں کہ انھیں کوئی ہاتھ ہی نہیں لگاتا، تو قدرتی طور پر ان کی ذہنیت ہی یہ ہو جائے گی کہ خود بھی انھیں کبھی نہ چھوئیں۔ مار مار کر ہم کسی کو مسلمان نہیں بنا سکتے اور جب تک کہ ہم اپنی آوارگیوں اور عیاشیوں کے مناظر اپنے بچوں کو دکھاتے اور اپنی بداعمالیوں کے تذکرے ان کے کانوں تک پہنچاتے رہیں گے اس وقت تک جتنی بندشیں بھی ان پر عائد کی جائیں گی اسی قدر ان کے دلوں میں گناہ کی رغبت اور حرص بڑھتی چلی جائے گی۔ مقصود بالذات یہ نہیں ہے کہ ہماری عورتوں کا آنچل تک کوئی نہ دیکھے خواہ ہم دوسروں کی عورتوں کے عریاں جسموں کے دیکھنے کے لیے مکانوں کی دیواریں پھاندتے پھریں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ہمارے ہر مرد اور ہماری ہر عورت کی ذہنیت ہی یہ ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھیں اور یہی ہمیں اپنے خدا کی طرف سے حکم بھی ملا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر پردہ اٹھا دیا گیا تو ہماری قوم میں عصمت فروشی عام ہو جائے

گی اس کے معنی صرف یہ ہو سکتے ہیں کہ ہمیں اپنے مردوں اور اپنی عورتوں پر ذرا سا بھی بھروسا نہیں ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ہم نے بندشیں اور قیود عائد کر کے مردوں اور عورتوں کے دلوں میں ثمر ممنوعہ کی محبت اور حرص بہت زیادہ کر دی ہے ورنہ اگر ہم ان قوموں کی حالت پر نگاہ ڈالیں جو بالکل وحشی ہیں اور ابھی تک سر ڈھکنے کا ہوش بھی انھیں نہیں آیا ہے تو معلوم ہوگا کہ ان میں فحش اور بدکاری ہرگز ہرگز عام نہیں ہے بلکہ جہاں تک تحفظ عصمت کا تعلق ہے ان کی حالت مہذب قوموں سے بدرجہا بہتر ہے۔ پردہ اٹھا دینے اور پردہ اٹھ جانے میں بہت بڑا فرق ہے اور یہ میں بھی ماننے کو تیار ہوں کہ اگر پردہ کو ہم نے حسن انتظام اور مناسب تدابیر کے ساتھ خود نہ اٹھا دیا اور وہ کچھ عرصہ کے بعد خود بخود اٹھ گیا تو یقیناً ایسے ہی حالات رونما ہوں گے کہ جن کے خیال سے بھی اس وقت شرم آتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اہل مغرب اور وضع مغرب کو زبان سے گالیاں دینے کے باوجود ہماری قوم روز بروز مغرب کی وضع قطع اور مغرب کے عادات و اطوار سیکھتی اور اختیار کرتی چلی جا رہی ہے۔ قالین اور گاؤ تکیہ کی جگہ میز کرسی نے لے لی ہے۔ ہاتھ سے کھانا کھانے کی رسم متروک ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اردو کے ہر فقرہ میں تعلیم یافتہ جماعت کی زبان سے ایک دو لفظ انگریزی کے ضرور سننے میں آ جاتے ہیں۔ انگرکھے، اچکنیں اور سلیم شاہی جوتے طاق نسیاں کی زینت بن چکے۔ بڑے شہروں میں بہت سی خواتین نہ صرف یہ کہ پردہ کو خیرباد کہہ چکیں بلکہ انھوں نے "گیسو بریدگی" بھی اختیار کر لی اور جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے تو ظاہر ہے کہ پردہ اٹھے گا اور ضرور اٹھے گا لیکن اس وقت ہمارے انتظام سے اور ہماری مرضی کے مطابق نہیں بلکہ تقلید مغرب میں اٹھے گا اور اس کے ساتھ ساتھ لازمی طور پر وہ تمام بداخلاقیاں بھی آئیں گی جن کے لیے اہل مغرب بدنام ہیں۔ ابھی ممکن ہے کہ ہم حسن تدبیر کے ساتھ اپنی بچیوں کو پردہ اٹھا دینے کے لیے تیار کر دیں اور ناولوں میں بند کر کے انھیں حریص اور چور بنانے کی بجائے صحیح اور عمدہ تربیت اور مناسب تعلیم کے ذریعہ سے ان کی ذہنیت دلیرانہ اور شریفانہ بنا دیں تاکہ ہماری آیندہ نسل کی خواتین کہ جنھیں بچپن ہی سے بے پردہ رہنے کی عادت ہو چکی ہے غیرانہ اور دلیرانہ

باہر نکلیں اور ان کے چہروں پر جالی اور کریپ کی نہیں بلکہ خود داری اور خود اعتمادی کی نقاب ہو اور کسی شریر سے شریر مرد کی بھی ہمت نہ پڑے کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ اگر ایسا نہ ہوا تب بھی جالی اور کریپ کی نقابیں اٹھ کر رہیں گی اور اس وقت ہماری خواتین کی ذہنیت وہ ہوگی جو آج یورپ اور امریکہ کی ہے۔ خدا وہ وقت بدنہ لائے!

صاف اور سچی باتیں ہمیشہ ناخوشگوار اور تلخ معلوم ہوا کرتی ہیں اور میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ میری یہ تحریر بہت سے دلوں کو ناگوار گزرے گی لیکن اگر جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ حقیقت ہے تو مجھ سے ناراض ہونے والے اپنے دل میں ذرا یہ بھی سوچ لیں کہ اگر ان حالات کا ذکر نہ کیا جاتا تو کیا صورت حالات بدل جاتی۔ ایک چیز جو فی الحقیقت موجود ہے اس پر پردے ڈال کر ہم کسی طرح بھی اسے غیر موجود نہیں کر سکتے۔ اپنے گھر کے صاف ستھرے فرش پر اگر ہمیں کچھ کوڑا پڑا ہوا نظر آئے اور ہم اسے دری یا چاندنی کے نیچے اس غرض سے چھپا دیں کہ اس پر لوگوں کی نگاہیں نہ پڑیں تو کیا ہمارا گھر صاف ہو جائے گا؟